ربیع الاول ۱۴۰۱ھ میں پاکستان ٹیلی ویژن پر پیش کیا جانے والا سلسلۂ تقاریر

رسول کامل ﷺ

مقرر : ڈاکٹر اسرار احمد

—— (۱۰) ——

انقلابِ نبویؐ کی توسیع
خلافتِ فاروقی و عثمانی رضی اللہ عنہما

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ..... ﴾ (النور : ۵۵)

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ اُن کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے' اور اُن کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے....."

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بجا طور پر اس رائے کا اظہار فرمایا ہے کہ خلافت راشدہ درحقیقت نبوت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کا تتمہ ہے' اور یہ بات اس لئے بالکل قرین قیاس ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی جو بعثت عامہ ہے' یعنی آپؐ کی بعثت پوری دنیا کی طرف' تمام عالم انسانی کی طرف' اس کے فرائض کی تکمیل خلافت راشدہ کے ذریعے ہوئی۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے جس عمل کا آغاز بنفس نفیس فرما دیا تھا' اسے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ آنحضور ﷺ نے اپنے دعوتی نامہ ہائے مبارک ارسال فرمائے' پھر غزوۂ موتہ' پھر سفر تبوک کے مراحل درپیش ہوئے' اور پھر جیش اسامہ کی تیاری اور اس کی روانگی کے انتظام سے جس عمل کا آغاز ہوا اسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

اپنے عہد خلافت میں آگے بڑھایا۔ چنانچہ مسلمانوں کی پیش قدمی شام کے ملک میں آپ کے دورانِ خلافت بھی کافی حد تک ہو چکی تھی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلامی فتوحات کا سیلاب جس کو بجا طور پر تعبیر کیا علامہ اقبال نے اس طرح کہ : ع رُکتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا! یہ نقشہ عہد خلافت فاروقی اور عہد خلافت عثمانی میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی مدت کل دس سال ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہ سالوں میں پہلے دس سال کی شان بالکل وہی ہے جو خلافت فاروقی کی تھی۔ وہی اتحاد، وہی یکجہتی، وہی ذوقِ جہاد، وہی جوشِ عمل، وہی شوق شہادت جو ہمیں دور نبوی میں اور عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں نظر آتا ہے، ان بیس سالوں کے دوران یعنی خلافت فاروقی و عثمانی میں بھی بتمام و کمال نظر آ رہا ہے۔ البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے آخری دو سالوں میں افتراق و انتشار بھی ہوا اور فتنہ و فساد کی شکل بھی سامنے آئی ہے جس کے اسباب پر اس وقت گفتگو کا موقع و محل نہیں۔

بہرحال یہ عمل جو تقریباً ایک ربع صدی تک جاری رہا ہے اور نہایت آب و تاب کے ساتھ جاری رہا ہے، اس کے بارے میں ایک بات تو یہ جان لینی چاہئے کہ اس کی اصل غرض و غایت کشور کشائی نہ تھی۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی !

یہ عام دُنیوی فتوحات، یا دوسرے فاتحین کی دنیا میں پیش قدمی سے بالکل ایک مختلف معاملہ ہے۔ چنانچہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے، جو فاتح ایران ہیں، ایرانیوں کی جانب سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ ہم پر کیوں چڑھ آئے ہیں؟ یہ جنگ کس لئے ہے؟ ہمارے مابین تو کوئی تنازعات بھی نہ تھے، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے وہ جواب دیا جو تاریخ میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے اور جو تاقیامِ قیامت روشن و تاباں رہے گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں کے سوال کے جواب میں کہا :

اِنَّا قَدْ اُرْسِلْنَا لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمَاتِ الْجَهَالَةِ اِلٰی نُوْرِ الْاِیْمَانِ
وَمِنْ جَوْرِ الْمُلُوْكِ اِلٰی عَدْلِ الْاِسْلَامِ

کہ ہم بھیجے گئے ہیں' یعنی میں آیا' نہیں لایا گیا ہوں' ہم خود نہیں آئے' ہم ایک مشن پر ہیں اور وہ مشن کیا ہے! وہ مشن ہے کہ ہم نوعِ انسانی کو جہالت سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لائیں اور بادشاہوں کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر اسلام کے عدل سے روشناس کریں۔ چنانچہ یہ وہی بات ہے کہ اصل مقصد شہادتِ حق تھا۔ شہادت کے ایک معنی اللہ کی راہ میں گردن کٹوا دینے کے بھی ہیں' اور اس طرح گویا کہ یہ ہر مجاہد فی سبیل اللہ کا ایک انفرادی نصب العین ہے۔ یہ وہ تمنا ہے کہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ خود محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان پر آ رہی ہے۔

((لَوَدِدْتُ اَنِّیْ قَاتَلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَقُتِلْتُ' ثُمَّ اُحیِیْتُ ثُم قُتِلْتُ' ثُمَّ اُحْیِیْتُ)) (۱)

"اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! میری آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کر دیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر اللہ کی راہ میں قتل ہونے کی سعادت سے شاد کام ہوں' اور پھر زندہ کیا جاؤں...."

یہ بات دوسری ہے کہ اپنے رسولوں کے بارے میں اللہ کی یہ سُنّت ہے' اس کا یہ اٹل قانون ہے کہ وہ مغلوب نہیں ہو سکتے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ﴾ "اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ لازماً میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے"۔ اور جو مغلوب نہیں ہو سکتا ظاہر ہے کہ وہ مقتول کیسے ہو سکتا ہے! چونکہ قتل مغلوبیت کی علامت ہے لہٰذا حضور ﷺ کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی۔ لیکن لفظ شہید کے ایک دوسرے معنی میں بھی ہیں جس کی رو سے ہر رسول شہید ہے اور اس شہید کے معنی ہیں گواہ۔ اسی بات کو سورۃ النساء کی آیت ۴۱ میں واضح کیا گیا کہ عدالت اُخروی میں تمام رسول شہید یعنی گواہ بنا کر پیش کیے جائیں گے۔ فرمایا :

﴿فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَہِیْدًا ۝﴾

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجہاد والسیر' باب الجعائل والحملان فی السبیل' ح ۲۸۱۰۔ و مسند احمد' ح ۹۷۷۶

”پس سوچو کہ اُس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور اِن لوگوں پر (اے محمد ﷺ) آپ کو گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے“۔

یہ شہادت علی الناس کا فریضہ اپنے قول اور اپنے عمل سے دنیا میں حق کی گواہی دینا ہے۔ اور یہی وہ فریضہ ہے جو حضرت محمد ﷺ امت کے حوالے فرما کر اس دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔ چنانچہ یہ بات سورۃ البقرہ میں بایں الفاظ وارد ہوئی :

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ ﴾

”(اے مسلمانو!) ہم نے اسی طرح تمہیں ایک بہترین امت بنایا ہے‘ تاکہ تم گواہی.. پوری نوعِ انسانی پر اور اللہ کے رسول گواہ ہو جائیں تم پر“۔

یہ بات سورۃ الحج میں بھی آتی ہے۔ وہاں مسلمانوں کو للکارا جا رہا ہے اور ان رہا ہے کہ :

﴿ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ ..... ﴾

”اور اللہ کی راہ میں محنت کرو‘ جدوجہد کرو جیسا کہ اس کے لئے محنت اور سعی و کوشش کرنے کا حق ہے۔ اللہ نے تمہیں چن لیا ہے.....“

یہ چناؤ‘ یہ انتخاب اور یہ ”اِجتباء“ کس مقصد اور کس غایت کے لئے کیا گیا ہے! اس کو اسی آیت میں آگے ان الفاظ میں واضح کیا گیا :

﴿ لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ ﴾

”تاکہ رسول گواہی دے تم پر اور تم گواہی دو پوری نوعِ انسانی پر“۔

چنانچہ خلافت راشدہ کے دوران ہمیں وہ نظامِ دین حق‘ وہ نظامِ عدلِ اجتماعی انصاف و قسط کے اُصول پر بالفعل قائم و نافذ نظر آتا ہے جس کی آج کے انسان کو اصل ضرورت ہے۔ یہ بات پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ جہاں تک انفرادی اَخلاقیات کا تعلق ہے سابقہ انبیاء و رُسل کے ہاں بھی وہ اپنے پورے نقطۂ عروج پر ہیں‘ اگرچہ اس اعتبار سے بھی ایک امتیازی شان ہے سیرتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی کہ ہم اس میں تمام اَخلاقی اقدار کو ایک بڑے توازن اور جامعیت کے ساتھ سمویا ہوا پاتے ہیں‘ لیکن نبی اکرم ﷺ کا اصل احسان‘ آپؐ کی اصل contribution وہ نظامِ اجتماعی ہے جس میں عدل و قسط ہے‘ انصاف ہے۔ ظلم

سے پاک معاشرہ اور وہ نظام جو حضور ﷺ نے دیا' ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کی پوری exfoliation' اس کی برکات کا بتمام و کمال ظہور' گویا lily in bloom نظر آتا ہے دورانِ خلافت راشدہ میں' اس لئے کہ حضور ﷺ کے عہد میں تو ابھی انقلاب کا عمل جاری تھا' ابھی انقلاب تکمیل کو پہنچا ہی تھا کہ حضور ﷺ نے "رفیق اعلیٰ" کی طرف مراجعت اختیار فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی

اس نظام کی برکات ظاہر ہوئیں بالخصوص دورِ فاروقی اور دورِ عثمانی میں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف حریت ہے تو اس کا عالم یہ ہے کہ ایک خاتون بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے فرماں روا کو ٹوک سکتی ہے۔ اور ایک خاتون کی تنقید پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنا ایک آرڈیننس واپس لے لیتے ہیں' جاری شدہ حکم منسوخ فرما دیتے ہیں۔ اسی طرح ایک گدڑی پوش' ایک درویش بے نوا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بر سرعام عمر رضی اللہ عنہ ٹوک دیتا ہے اور دورانِ خطبہ کہتا ہے: لَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ یعنی نہ سنیں گے اور نہ اطاعت کریں گے۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دریافت کرتے ہیں کہ معاملہ کیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک خالص نجی تنقید ہے کہ یہ کرتا جو آپ نے پہنا ہوا ہے' ان چادروں سے بنا ہے جو مالِ غنیمت میں آئی تھیں اور ہر مسلمان کو جتنا حصہ ملا تھا اس سے کرتا نہیں بنتا اور آپ تو ہم میں سے ہیں بھی طویل القامت انسان' تو یہ کرتا کیسے بن گیا؟ وقت کے عظیم ترین فرماں روا پر عین مجمع عام میں یہ بالکل ذاتی تنقید ہو رہی ہے۔ آزادی اور حریت کا یہ عالم ہے' اظہارِ رائے کی یہ کیفیت ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وضاحت کے لئے اپنے بیٹے کو حکم دیتے ہیں کہ عبداللہ! لوگوں کو اصل صورتِ حال بتلاؤ۔ اور جب وہ صراحت فرما دیتے ہیں کہ میں نے اپنے حصے کا کپڑا ابھی ابا جان کو دے دیا تھا تاکہ ان کی قمیض مکمل ہو جائے تو اب وہی درویش بے نوا علی الاعلان کہتا ہے:

اَلْاٰنَ نَسْمَعُ وَ نُطِیْعُ

"ہاں اب ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے"۔

مساوات اگر کوئی قدر ہے' اور یقیناً ایک اعلیٰ قدر ہے' تو اس کا بھی ہمیں یہ منظر نظر آتا ہے کہ وقت کی عظیم ترین مملکت کا فرماں روا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جس کے نام سے لرزہ طاری ہے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں' وہ بیت المقدس کا سفر کر رہا ہے اور کس شان سے! یہ ذاتی سفر

نہیں ہے' سرکاری فرائض کی ادائیگی کے لئے جا رہے ہیں' لیکن ایک اونٹ اور ایک خادم کے ساتھ ــــ اور حال یہ ہے کہ ایک منزل خلیفۃ المسلمین اونٹ کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں اور غلام یا خادم نکیل تھامے آگے چل رہا ہے' اور اگلی منزل میں معاملہ بالکل برعکس ہے کہ خادم اونٹ کی سواری کر رہا ہے اور خلیفۃ المسلمین نکیل تھامے ہوئے آگے آگے پیدل چل رہے ہیں ــــ اسی طریقے سے عدل اگر حقیقتاً کسی شے کا نام ہے تو یہ بتمام و کمال نظر آئے گی اسی عہد خلافت راشدہ میں کہ مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیٹا مصر میں ایک قبطی کو ناحق مارتا ہے' اور وہ قبطی حج کے موقع پر فریاد لے کر آتا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قبطی کے ہاتھ سے گورنر کے بیٹے کو قصاص میں کوڑے لگواتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ذرا ایک دو ضربیں اس کے والد کو بھی لگاؤ' اس لئے کہ درحقیقت اس نے اپنے باپ کی گورنری کے زعم ہی میں تم پر یہ ظلم کیا تھا۔ اور وہ شخص پکار اٹھتا ہے کہ نہیں' مجھے میرا بدلہ مل گیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانے میں قاضی کی عدالت میں پیش ہوتے ہیں اور اُن کا دعویٰ صرف اس لئے خارج ہو جاتا ہے کہ ان کے پاس گواہیاں صرف دو تھیں' ایک اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اور ایک غلام کی' اور عدالت فیصلہ کرتی ہے کہ کسی شخص کے حق میں اس کے بیٹے اور اس کے ذاتی غلام کی گواہی قبول نہیں ہو سکتی' لہٰذا آپ کا دعویٰ خارج ہے۔

حریت ہو' مساوات ہو' عدل و انصاف ہو' یہ تمام اَقدار کہ جن کی یوں سمجھئے کہ نوعِ انسانی کو شدید ضرورت ہے' ان سب کو ایک معتدل نظام کے اندر سمو کر اُس عدلِ اجتماعی کو بالفعل خلافت راشدہ نے قائم کر کے اور عملاً چلا کر دکھا دیا' جس کے لئے آج نوعِ انسانی تڑپ رہی ہے۔ یہ ہے وہ حجت جو خلافت راشدہ کے ذریعے تا قیامِ قیامت نوعِ انسانی کے لئے قائم ہو چکی ہے۔

فَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ○○